ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم

اِسلام میں گُناہ کی ماہیّت

اسلام نے مذہب میں جو انقلابی باتیں کیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ اس نے گناہ کی حقیقت بتائی۔ اسلام سے قبل مذاہب کا یہ حال تھا کہ ان میں سے اکثر نے زندگی کو سراپا گناہ بنا دیا تھا۔ یا گناہ کا خوف اس طرح نفوس پر طاری کرایا تھا، کہ لوگ گناہ کے ڈر سے زندگی ہی سے گریزاں ہوگئے تھے۔ بُدھ مت نے زندگی کی ہر آرزو کو گناہ قرار دیا۔ اور اس کا یہ علاج بتایا، کہ زندگی کو مطلقاً بے آرزو کر دیا جائے۔ ہندو دھرم نے یہ سکھایا کہ گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے لاتعداد جنم لینے پڑتے ہیں۔ اور یہ آواگون ایسا ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی روح اس سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے بار بار دنیا میں کبھی چوہا بن کر کبھی بلّی بن کر، کبھی گدھا بن کر، کبھی سؤر بن کر، کبھی کتّا بن کر آنا پڑے گا۔ دنیا میں جو بے شمار جانور اور حشرات الارض موجود ہیں، ان میں سے معلوم نہیں کتنے انسانوں کی روحیں ہیں، جن کی گناہوں کی پاداش میں یہ تبدیل ہیئت ہوگئی ہے۔ یہودیوں میں بھی گناہ کے تصوّرات نہایت خوفناک تھے کہ اُنہوں نے گناہ کو ایسا ہیبت ناک بنا دیا کہ نطشے لکھتا ہے کہ گناہ کا یہ تصوّر خاص یہودیوں کی ایجاد ہے۔ یہودیوں کے ہاں خدا اس قدر منتقم اور کینہ توز ہے، کہ گناہ کی سزا گناہ کرنے والے تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ آنے والی تین پشتوں کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ یہ تصوّر مطلق العنان جابر بادشاہوں کے متعلق تھا جس کو یہودیوں نے خدا پر لگا دیا جابر سلطان جس شخص سے ناراض ہوتے تھے، سزا فقط اسی کو نہیں ملتی تھی، بلکہ اس کا پورا خاندان یا قتل کر دیا جاتا تھا، یا صالح اور معصوم سب کو عذاب میں مبتلا کیا جاتا تھا۔

توریت میں ہے کہ خدا کہتا ہے "میں خدا تیرا مالک خدائے غیور ہوں۔ جو لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، میں اُن کے ساتھ یہ برتاؤ کرتا ہوں، کہ آباء کے گناہ کا عذاب تیسری چوتھی پشت تک اس کی اولاد کو بھی دیتا ہوں" یہودیوں کا گناہ کی بابت یہ تصوّر کہ وہ اولاد کو ورثے میں ملتا ہے، عیسائیت کا بھی ایک اساسی عقیدہ بن گیا۔ آدمؑ اور حوّا نے جنّت میں شیطان کے ورغلانے سے شجرِ ممنوعہ کا پھل کھایا، اس کی سزا یہیں تک محدود نہ رہی کہ ان کو جنّت سے نکال دیا گیا، بلکہ ابدالآباد تک ان کی اولاد کو اسکی سزا ملتی جائے گی۔ دنیا میں جو انسان بھی پیدا ہوگا، آدمؑ کا گناہ اس کی فطرت کا جُزو ہوگا۔ قیامت تک تمام عورتوں کو یہ سزا ملے گی، کہ وہ بڑی مُصیبت سے بچے جنیں۔ مردوں کی سزاؤں میں سے ایک سزا یہ ہوگی، کہ ان کو محنت کے پسینے سے روٹی کمانی پڑےگی۔

اعمالِ صالحہ سے بھی گناہ کی یہ سیاہی دُھل نہ سکے گی۔ یہ کہ ایک کے گناہ کی سزا دوسرے کو مل سکتی ہے۔ وہ اس دوسرے

مسیحی عقیدے میں بھی موجود ہے، کہ مسیح کی مصیبت اور موت انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہو گئی۔ انسانوں کے گناہوں کا علاج خدا نے یہی کیا کہ اپنے اکلوتے اور معصوم بیٹے کو بھینٹ چڑھا دیا۔ اس عقیدے میں دیوتاؤں کو خوش کرنے کا انسانی قربانی کا تصوّر بھی پایا جاتا ہے۔ اور یہودیوں کا یہ عقیدہ بھی موجود ہے، کہ گناہ گار کی سزا معصوم کو بھی مل سکتی ہے۔ ان عقائد کو دیکھیں، تو یہودیوں اور عیسائیوں کا خدا نہ عادل معلوم ہوتا ہے اور نہ رحیم۔ وہ یا جابر سلطان ہے یا وحشیوں کا خونخوار دیوتا۔

اب ان تمام مذاہب کے مقابلے میں اسلام کی تعلیم پر غور کیجئے کہ اس نے گناہ کو کیا چیز سمجھا۔ انسان میں کئی قسم کی فطری صلاحیتیں ہیں۔ وہ احسن تقویم بھی ہے۔ اور گناہ کرتے کرتے اسفل السافلین میں بھی گر سکتا ہے۔ قرآن نے بھی آدم کا قصّہ بیان کیا۔ لیکن یہ کہا کہ آدمؑ سے ایک لغزش ہوئی، اس نے معافی مانگی، اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس کے بعد آدمؑ کی تذلیل نہیں بلکہ اس کی تکریم ملتی ہے۔ اس کو خدا کا سب سے بڑا انعام یعنی نبوّت عطا ہوئی۔ اور نبوّت کے ساتھ اس کو خلافتِ الٰہیہ کا اہل بنایا گیا۔ وہ علم کی بدولت مسجودِ ملائک ہو گیا شمس و قمر اور شجر و حجر کو اس کے لئے مسخر کیا گیا۔

اسلام کہتا ہے کہ آدمی کی فطرت ہے کہ وہ ضرور غلطی کرے گا، اور جابجا ٹھوکر کھائے گا، خدا نے اس کو دونوں راستے بتا دئے ہیں، وہ کبھی صراطِ مستقیم کو اختیار کرے گا، اور اس کا انعام پائے گا۔ اور کبھی راہِ راست سے بھٹک جائے گا، تو سزا کا مستوجب ہو گا لیکن خدا انسان کو ہر وقت ہر گناہ پر نہیں پکڑتا، وہ مواخذہ کرنے میں عجلت نہیں کرتا۔ قرآن کہتا ہے، کہ اگر خدا سزا میں زود انتقام ہوتا تو دنیا میں انسان کیا کسی جاندار کا قائم رہنا محال ہو جاتا۔ خدا توّاب الرحیم ہے، ہزار بار گناہ کرو اور ہزار بار توبہ کرو، تو گناہ کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ ایک کا گناہ دوسرے کو ورثے میں نہیں ملتا۔ نہ ایک شخص دوسرے کے اعمال کا کفارہ ہو سکتا ہے۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، گناہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ قضائے مبرم کی طرح انسان کو چمٹ جائے۔ انسان کی زندگی یہ ہے کہ وہ بھلائیاں بھی کرتا ہے اور برائیاں بھی۔ بھلائیاں برائیوں کو مٹاتی رہتی ہیں۔ اِنَّ الحسنات یذھبن السیّات۔ انسان کو خدا کی رحمت سے کبھی ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ ناامیدی کفر ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰه، اللہ کی رحمت ہر چیز اور ہر عمل پر چھائی ہوئی ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

جنّت اور دوزخ میں جزا و سزا کے تشبیہی بیانات ہیں۔ جنّت کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے کہ جنّت کی مثال یہ ہے کہ گویا ایک باغ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنّت کی اصل کیفیت جو کچھ ہے، وہ نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھی نہ کانوں سے سنی، نہ کسی کے قلب میں اس کا تصوّر گزرا۔ قرآن کہتا ہے کہ جنّت تمام ارض و سماوات یعنی تمام موجودات کی ہم وجود اور ہم وسعت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جنّت کوئی مکان یا مقام نہیں، بلکہ انفس و آفاق کی ایک کیفیت ہے۔ اس خیال کی تائید رسولِ کریمؐ کے اس جواب سے بھی ہوتی ہے، جو آنحضرت نے حبش کے ایک سفیر کو دیا جب اس نے پوچھا کہ جنّت اگر تمام ارض و سماوات پر حاوی ہے تو جہنم

کہاں ہوگا۔ فرمایا، کہ جب دن طلوع ہوتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دن اور رات عالم ارضی کی کیفیتیں ہیں، اور جگہ گھیرنے والی اشیاء نہیں، یہی حال جنّت اور دوزخ کا ہے۔ جس پر خدا کی عالمگیر رحمت آشکار ہوجائے، اس کے لیے تمام وجود خیر ہی خیر ہے۔ اور جس پر یہ رحمت آشکار نہ ہو، اس کی اس سلبی کیفیت کا نام دوزخ ہے۔ گویا جنّت اور دوزخ حالتیں ہیں، جو عرفان اور عدم عرفان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ یہ کوئی مخصوص مقامات نہیں، زمان و مکان کا تعلق عالم طبعی سے ہے، عالم طبعی سے ماوراء نہ یہ زمان ہوگا اور نہ یہ مکان، نہ یہ دیر و زود اور نہ یہ طول و عرض۔ علامہ اقبالؒ نے فکر اسلامی کی جدید تشکیل کے خطبات میں جنّت اور دوزخ کے متعلق یہی لکھا ہے کہ یہ مقامات نہیں بلکہ احوال ہیں۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ بھی فرماتے ہیں کہ عالم مثال میں نفسی کیفیات اور مجرّد تصوّرات جسمانی اور مادی صورتوں میں رونما ہوتے ہیں۔ جنّت اور دوزخ کی قرآنی مثالوں کو بھی اس نظریہ کے مطابق احوالِ نفسی کی صُورت پذیری قرار دے سکتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ قرآن خُدا کے غضب کا بھی ذکر کرتا ہے، اور اس کے رحم کا بھی، خُدا میں جلال بھی ہے، اور جمال بھی۔ لیکن جلال ذریعہ ہے اور جمال مقصد۔ رحیمیت اور رحمانیت خُدا کے اساسی صفات ہیں۔ ایسا خُدا اگر سزا بھی دے، تو تہذیبی ہی ہوسکتی ہے، تعذیبی نہیں ہوسکتی۔ گویا خُدا کی دی ہوئی سزا ایک عمل جرّاحی ہے، جس میں تکلیف ضرور ہے، لیکن وہ ایک اصلاحی عمل ہے، اور اس کا عمل راحت کا پیش خیمہ ہے۔ گناہ گاروں بلکہ منافقوں کے متعلق بھی رسولِ کریمؐ کو یقین تھا، کہ گناہوں کی کثرت کے باوجود خدا ان پر مغفرت کرسکتا ہے۔ رسولِ کریمؐ نے بعض اصحابؓ سے دریافت کیا، کہ بتاؤ کہ کوئی ماں اپنے بچّے کو جلتی ہوئی آگ میں ڈال سکتی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ فرمایا کہ یقین رکھو کہ ماں کو جو محبّت اپنے بچّے سے ہے، اس سے کہیں زیادہ خُدا کو اپنے بندوں سے ہے۔ جو سزا رحمت سے سرزد ہو وہ رحمت کی منافی نہیں ہوسکتی۔ ماں باپ تادیب اور تہذیب نفس کی خاطر اولاد کو سزا دیتے ہیں، اُستاد شاگرد کو سزا دیتا ہے، لیکن یہ سزائیں اصلاحی ہوتی ہیں، انتقامی نہیں ہوتیں۔ سزا پانے والے کی تکلیف سے سزا دینے والے کو خود بھی تکلیف ہوتی ہے۔

گناہ کے متعلق اسلام نے جو نقطۂ نظر اختیار کیا، اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا، کہ اس نے گناہ گاروں کے لیے گناہ کے دروازے کھول دیے ہیں، دین کا کام گناہ کی تخریبی کیفیت اور اس کے دردناک نتائج کو واضح کرنا ہے۔ از روئے قرآن گناہ ایک نفسی مرض ہے ....، ایک قلبی بیماری ہے لیکن جس طرح خدا نے ہر جسمانی بیماری کا علاج پیدا کیا ہے، اسی طرح ہر قلبی بیماری کا بھی علاج ہے اگر بیماری ہوتی اور اس کا علاج نہ ہوتا تو اللہ کی رحمت پر شبہ ہوسکتا تھا۔ غالب نے اس مضمون کو کیا عمدگی سے بیان کیا ہے، کہتا ہے کہ ادویات، جمادات اور نباتات میں سے بنتی ہیں۔ اور بیماریاں جانداروں کو ہوتی ہیں۔ تدریجِ تکوین میں خدا نے جمادات و نباتات کو تمام جانداروں اور انسانوں سے پہلے پیدا کیا۔ گویا علاج پہلے پیدا کیا اور بیماری بعد میں آئی، انسان سے خدا کی رحمت کا پتہ چلتا ہے ؎

چارہ در سنگ و گیاہ و رنج با جاندار بود   پیش بانان کیں در رسد آں را مہیا ساختی

ہاں اگر کوئی انسان اپنی بیماری کو بیماری نہ سمجھے تو علت و معلول کے عام قانون کے مطابق اس کی بیماری میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ فِي قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔ گناہ یعنی قلبی مرض کا جلد علاج ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ مریض اس کو مرض سمجھے، خود اس کی تشخیص کرے یا روحانی اطباء سے اس کی تشخیص کرائے اور جلد اس کا مداوا کرے۔ اگر ایسا نہیں کریگا، تو قدرتی اضافہ مرض اس کی زندگی کو جہنم بنا دے گا ؎

کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا　　مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دُکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا　　کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں　　(مسدس حالی)

جب گناہ اصرار اور تکرار کی وجہ سے مرض مزمن بن جائے، تو گناہ چونکہ قلبی بیماری ہے، اس لئے قلب پر سے دوزخ کے شعلے اُٹھنے لگتے ہیں۔ دوزخ کی آگ کوئی خارجی اور مادی آگ نہیں ہے، بلکہ قرآن کہتا ہے کہ یہ وہ آگ ہے کہ تطلع علی الافئدۃ یعنی دلوں میں سے شعلہ افگن ہوتی ہے۔ لیکن اتنی شدید گناہ گاری اور عذاب آفرینی کے باوجود بھی نہ توبہ کا دروازہ بند ہوتا ہے اور نہ رحمت کا دروازہ۔ خدائے تواب و رحیم منتظر رہتا ہے کہ یہ عاصی گناہ سے منہ موڑ کر میری طرف رُخ کرے۔ ایک سچی توبہ زندگی کا یک بیک رُخ پھیر کر جہنم سے جنت کی طرف لے جا سکتی ہے۔

اسلام نے انسان کی فطرت کا صحیح اندازہ کیا، کہ خطا و نسیان اس کے ساتھ لگا رہے گا، اور زندگی کا گہوارہ بھلائی اور بُرائی کے درمیان جھولتا رہے گا۔ زندگی کی عام لغزشیں ایسی نہیں ہوتیں، کہ انسان خدا کے خوف اور عذاب کے ڈر سے ہمیشہ لرزہ براندام رہے۔ انسان زندگی کی مختلف حالتوں میں بلندی کی طرف اُبھرتا اور پستی میں گرتا رہتا ہے۔ کسی آدمی کے متقی یا فلاح یاب ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں، کہ اس نے غلطیاں نہیں کیں یا گناہ نہیں کئے۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا کے پاس میزان ہے، اس میزان میں بھلائی اور بُرائی کا ذرہ ذرہ تلتا رہتا ہے، کامیابی اور ناکامی کا مدار اس پر ہے کہ ان پلڑوں میں سے کونسا پلڑا بھاری رہتا ہے، اگر ننانوے بُرائیاں اور سو نیکیاں ہوں، تو بحیثیت مجموعی خدا کے نزدیک یہ انسان نجات یافتہ ہے۔

حکیم ابی قورس فرقہ لذتیہ کے امام نے کہا کہ جب تک انسان پر سے دیوتاؤں کا خوف زائل نہ ہو، تب تک وہ اطمینانِ قلب حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس نے لوگوں کو یقین دلانا شروع کیا، کہ دیوتا انسانوں سے بغض اور حسد نہیں رکھتے، وہ دنیا والوں کی زندگی سے بے تعلق اپنے آپ میں مگن ہیں، لہٰذا اُن سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، لیکن جب بعض مذاہب نے دیوتاؤں کے وجود سے انکار کر دیا، اور ایک خدائے واحد پر ایمان لے آئے، تو اُنہوں نے بھی خدا کے قہر کا ۔۔۔ ایسا بھیانک نقشہ کھینچا، کہ لوگ دیوتاؤں سے چھوٹ کر اس ایک خدائے منتقم و قہار سے کانپنے لگے۔ ایسی توحید نے بھی موحدوں کو خوف سے نجات نہ دلائی۔ لیکن قرآن کریم جب کبھی نجات یافتہ انسانوں اصحابِ حیاتِ طیبہ والے مومنوں کا ذکر کرتا ہے تو اُن کی نفسی کیفیت یہی بیان کرتا ہے، کہ

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، کہ ان پر کسی قسم کا خوف طاری نہ ہوگا۔ اور نہ وہ غم میں مبتلا ہوں گے۔ دینی اصطلاح میں جس کیفیت کو خوفِ خدا کہتے ہیں، اس کا مطلب گناہ اور اس کے نتائج سے بچنا ہے، بیماری کے خوف سے انسان صحت کا خیال رکھتا ہے۔ گندگی کے خوف سے انسان اپنے جسم اور کپڑوں کو بچاتا ہے، کسی محبوب کی ناراضگی کے خوف سے وہ کوئی ایسی بات نہیں کرتا جس سے محبت کا تعلق خراب ہو جائے، صحیح معنوں میں خدا کا خوف بھی محبت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، اس لئے نہیں، کہ خدا سزا دینے کے لئے آمادہ بیٹھا ہے۔ گناہ خدا سے دوری کا نام ہے، اور یہ دوری آپ ہی اپنی سزا ہے۔

حکمتِ رومی

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب
قیمت تین روپے

مسئلہ اجتہاد

مصنفہ مولانا محمد حنیف صاحب ندوی
قیمت دو روپے ۸ر آنے

اسلامک آئیڈیالوجی

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب
قیمت دس روپے

دینِ فطرت

مصنفہ محمد مظہرالدین صاحب صدیقی
قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

اسلام اینڈ کمیونزم

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب
قیمت آٹھ روپے

ریاض السنہ

مصنفہ مولانا محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی
قیمت آٹھ روپے

اسلام کی بنیادی حقیقتیں

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب
قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلام اور رواداری

مصنفہ مولانا رئیس احمد صاحب جعفری
قیمت چھ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ ۲ کلب روڈ۔ لاہور